International Research Journal of Human Resources and Social Sciences
ISSN(O): (2349-4085) ISSN(P): (2394-4218)
Impact Factor- 5.414, Volume 4, Issue 10, October 2017
Website- www.aarf.asia, **Email** : editor@aarf.asia , editoraarf@gmail.com

اردو غزل گوئی

یار سے پیار کی باتوں کو غزل کہتے ہیں

زلف ورخسار کی باتوں کو غزل کہتے ہیں

ڈاکٹر محمد اکمل

خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی-فارسی یونیورسٹی

لکھنؤ

ہر فرد بشر خواہاں ہوتا ہے کہ اس کے افکار و نظریات سے دوسرے واقف ہوں، جس کے اظہار کے لئے وہ مختلف سہاروں اور ذرائع کا استعمال کرتا ہے۔ایک ادیب یا شاعر اپنے افکار اور اپنی رائے کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے قلم کا سہارا لیتا ہے۔شعرا نے اپنے افکار و نظریات کا اظہار مختلف اصناف شاعری (قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور نظم وغیرہ) میں کیا ہے۔ان اصناف شاعری میں غزل کو جو مقام اور مرتبہ ملا وہ کسی دوسری صنف شاعری کو نصیب نہ ہوا۔اردو شاعری کا سب سے بڑا سرمایہ غزل ہے۔ اردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل ہے۔

کئی اہم ناقدین نے غزل کی شدید مخالفت کی ہے۔ مخالفت کرنے والوں میں الطاف حسین حالی، جوش ملیح آبادی، کلیم الدین احمد اور عظمت اللہ خان کے نام اہم ہیں۔الطاف حسین حالی نے غزل کے بارے میں کہا تھا کہ اس میں سنڈاس کی بدبو محسوس ہوتی ہے۔ کلیم الدین احمد کہتے ہیں کہ غزل نیم وحشی صنف سخن ہے اور عظمت اللہ خان غزل کی گردن زدنی کا مشورہ دیتے ہیں۔اتنی شدید مخالفت کے باوجود غزل کی مقبولیت میں ذرہ برابر کمی نہ آئی بلکہ روز بروز اس کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ غزل نے زندگی کے ہر دور میں عام مقبولیت کا شرف حاص کیا۔ غزل نے خواص کی محفلوں اور عوام کے دلوں میں جگہ بنائی ہے۔رشید احمد صدیقی نے بجا فرمایا کہ غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔ غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں زمانے کے ساتھ بدلنے اور ہر ضرورت کو پورا کرنے، ہر قسم کے

© **Associated Asia Research Foundation (AARF)**
A Monthly Double-Blind Peer Reviewed Refereed Open Access International e-Journal - Included in the International Serial Directories.

مضامین کو ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی بات کو ایک شعر میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ مخالفتیں بہت ہوئیں مگر اس صنف پر کبھی زوال نہیں آیا۔ کسی بھی عہد یا زمانے پر نظر ڈالیں ہمیں نظر آئے گا کہ غزلیہ شاعری ترقی کرتی ہی رہی۔ ایہام گوئی، ردایہام گوئی (اصلاح سخن) عہد میر و مرزا اور عہد غالب و مومن وغیرہ پر نظر ڈالیں ، کبھی اردو غزل نے اپنے قارئین کو مایوس نہیں کیا بلکہ دن بدن مزید مقبول ہوتی گئی۔

غزل کی مقبولیت کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ غزل کی کامیابی ،پسندیدگی اور مقبولیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کی غزلیہ شاعری ہر دور میں جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے بہترین ذریعہ رہی ہے ۔بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نشیب وفراز کے باوجود اردو شعرا نے غزلیہ شاعری میں ہر قسم کے تجربات پیش کئے۔ اردو کی غزلیہ شاعری کے علاوہ دوسری اصناف شاعری قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی وغیرہ مذکورہ خصوصیات کی حامل نہیں۔ اردو میں قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی نگاری کی مقبولیت میں کمی آتی گئی مگر غزل گوئی اپنی مقبولیت کے لحاظ سے آج بھی اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ غزل کی مقبولیت کی دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر پڑھنے والے یا سننے والے کو غزل میں اپنی داستان سنائی دیتی ہے۔ کیونکہ شاعر کے دل پر جو بیتی ہے عام طور پر شاعر وہی بیان کرتا ہے۔ یہ کیفیت تقریباً دوسروں پر بھی بیت چکی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ شاعر کے دل پر گزرنے والی کیفیت قاری یا سامع کو اپنے دل پر گزرنے والی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ غالب کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

فانی ان اشعار کے ذریعے حضرت انسان کے دل کی ترجمانی یوں کرتے ہیں۔

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

حسرت کے اس شعر میں قاری کو اپنے دل پر گزری ہوئی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

بھلا تا لاکھ ہوں، لیکن برابر یاد آتے ہیں الٰہی ! ترک الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

موضوع کے لحاظ سے آج کی اردو غزل کا دامن بہت وسیع ہو چکا ہے۔ غزل میں دنیا کے بہت سارے مسائل اور مضامین کو جگہ مل چکی ہے۔ جن میں عشق کا پلڑا سب سے بھاری ہے۔ عشق و محبت کی ساری واردات وجذبات کو غزل نے اپنے اندر سمویا ہے۔ غزل کا خاص موضوع حسن و عشق رہا ہے۔ غزل ایک ایسا جذبہ ہے جس سے کوئی بھی دل خالی نہیں۔ میاں بیوی کا عشق، ماں باپ کا عشق، بھائی

بہن کا عشق، استاد شاگرد کا عشق، پیر و مرشد کا عشق اور ملک و ملت سے عشق وغیرہ۔ یہ سارے عشق کے مختلف روپ ہیں۔ کسی عظیم مقصد کی والہانہ لگن کو بھی عشق کہتے ہیں اور سب سے بلند و بالا تو وہ عشق ہے جو انسان کو معبود حقیقی یعنی خدا سے ہوتا ہے۔ غزل ابتدائی دنوں میں جذبۂ عشق کے اظہار کے لئے موقوف تھی۔ وقت گزرتا گیا صنف غزل میں عشق کے علاوہ دوسرے مضامین بھی داخل ہوتے گئے۔ غزل کا بنیادی موضوع معاملات عشق کی مختلف کیفیات کی ترجمانی ہے۔ خود غزل کے لغوی معنی عورتوں سے یا عورتوں کے متعلق باتیں کرنے کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں غزل شاعری کی اس صنف کا نام ہے جس میں عشق و محبت، حسن و جمال، معشوق کی تعریف، اس کے جور و ستم، بے توجہی، ہجر و فراق کی تڑپ، وصال محبوب کی تمنا، یاس و امید، بہار و خزاں اور شادی و غم وغیرہ کے مضامین بیان کئے جائیں۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ غزل کے مضامین میں تبدیلیاں اور اضافے بھی ہوئے۔ اب غزل صرف عشق و محبت تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ غزل میں معاملات عشق کے علاوہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کی جانے لگی۔ غزل میں فلسفیانہ، سماجی، معاشرتی، تاریخی اور سیاسی مضامین وغیرہ بھی پیش کئے جانے لگے۔ غزل کے موضوعات زندگی کی طرح وسیع، ہمہ گیر اور متنوع ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی موضوع ایسا نہیں ہے جسے غزل میں جگہ نہ ملی ہو۔ غزل میں ہر طرح کے خیالات و مضامین کو بیان کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ غزل کی دنیا مختلف اور متضاد کیفیتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر غزل کے اندر ایک طرف حسن کا ناز ہے تو دوسری طرف عشق کا نیاز ہے اگر ایک طرف دنیا کی رنگینیوں کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف بے ثباتی عالم کا رونا ہے۔ شعرا اپنی غزلوں میں معلم اخلاق سے لے کر آوارۂ شہر و صحرا اور رسوائے زمانہ تک ہر رنگ میں نظر آتے ہیں۔

اردو غزل میں پہلے جو الفاظ مستعمل تھے آج بھی وہی الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ان کے معانی مختلف ادوار میں بدلتے رہے۔ غزل میں عام طور پر تین کردار (عاشق، معشوق اور رقیب) پیش کئے جاتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے محب وطن کے لئے عاشق، ملک و قوم کے لئے معشوق اور ملک و قوم کے دشمن کے لئے رقیب جیسے لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ اگر غزل کی ہیئت یعنی اس کی ظاہری شکل کی بات کی جائے تو چار چیزوں یعنی ردیف، قافیہ، مطلع اور مقطع کا ذکر ضرور کیا جائے گا۔ غزل کے پہلے شعر یعنی مطلع کے دونوں مصرعوں کے آخر میں اور اس کے بعد دوسرے مصرعے کے آخر میں جو الفاظ آتے ہیں وہ ردیف ہیں۔ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مطلع کے دونوں مصرعوں کے آخر میں اور بقیہ دوسرے اشعار کے دوسرے مصرعوں کے آخر میں آنے والے الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں جب کہ غزل کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے مقطع ہے۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

مذکورہ تینوں اشعار میں غزل کی ہیئت یعنی ردیف، قافیہ، مطلع اور مقطع کو دیکھا جاسکتا ہے۔ پہلا شعر مطلع ہے، یہ غزل کا پہلا شعر ہے، اس کے دونوں مصرعے ہم ردیف و ہم قافیہ ہیں، بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے میں ردیف و قافیہ ہے۔ مذکورہ اشعار میں ردیف 'کیا ہے' اور قافیہ 'ہوا، دوا، ماجرا اور برا' ہے۔ تیسرا شعر مقطع ہے، اس میں شاعر نے اپنا تخلص 'غالبؔ' استعمال کیا ہے۔

غزل کے ہر شعر کا ایک مکمل اکائی ہونا بھی غزل کی ہیئت میں داخل ہے۔ اشارے کنایے میں باتیں کرنا غزلیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت ہے، تصویر کشی اور غنائیت اچھے اشعار اور اچھی غزل کے لئے بہت ہی ضروری ہے، تصویر کشی سے متعلق مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ تصویر جتنی دھندلی ہوگی اتنی ہی دلکش ہوگی۔ ایک شعر میں تفصیل کی گنجائش زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے جزئیات کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے غزل کے اشعار میں اکثر تصویر دھندلی ہو جاتی ہے اور بقول شبلی یہی تصویر کا اصلی حسن ہے۔

غزل نے اپنی موجودہ صورت کب اختیار کی۔ کس نے غزل کو مستقل صنف سخن کی حیثیت عطا کی اور یہ صنف ہندوستان کیسے پہونچی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں

"اپنی موجودہ صورت تو اس نے ایران ہی میں اختیار کی لیکن قصیدے کی صورت میں غزل کا سا انداز عرب میں اس سے قبل بھی مل جاتا ہے۔ عرب میں اس نے ویسے کوئی مستقل شکل اختیار نہیں کی لیکن غزل کے موضوعات قصیدے ہی میں پیش کئے جاتے رہے اور مختلف شعرا نے اس میں غزل کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ ایک مستقل صنف کی شکل تو اس نے ایران میں اختیار کی۔ ایران میں بھی عربوں کے زیر اثر ایک زمانے تک قصیدوں کا رواج رہا اور انہیں قصیدوں میں فارسی کے شعرا غزل کے موضوعات کو بھی پیش کرتے رہے۔ رودکی نے ان موضوعات کو قصیدے سے الگ کر کے غزل کو ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت دی اور اس کے بعد غزل کے ارتقا اور نشو و نما کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو صدیوں تک جاری رہا۔"

ایران سے ہوتے ہوئے غزل ہندوستان آئی۔ غزل کو ہندوستان کی آب و ہوا ایسی راس آئی کہ فارسی اور اردو دونوں میں اس نے وہ مقام حاصل کر لیا جو کسی اور صنف سخن کو حاصل نہ ہو سکا۔ اردو غزل کے ابتدائی نقوش امیر خسرو کے کلام میں ملتے ہیں۔ بطور مثال امیر خسرو کا درج ذیل شعر پیش کیا جاسکتا ہے۔

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں

کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

خسرو کے اس شعر میں ہندی اور فارسی لفظوں کا امتزاج دکھائی دیتا ہے جسے اردو غزل کا ابتدائی نمونہ تسلیم کیا جاسکتا ہے، اردو غزل کے ابتدائی نقوش امیر خسرو کے بعد دکنی ادب میں ملتے ہیں۔ اردو غزل نے جب اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کو اپنی دنیا بہت تنگ نظر آئی۔ ابتدائی دور میں جن دکنی شعرا کی غزلیں ملتی ہیں، ان میں قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی، نصرتی، ہاشمی، شاہی اور شوقی وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں، یہ بات الگ ہے کہ ان کی زبان پر دکنی اثر بہت ہے ۔ان شعرا کی غزلوں نے اردو غزل گوئی میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔ وجہ یہ رہی کہ غزلیں بہت کم تعداد میں لکھی گئیں اور جو بھی لکھی گئیں ان میں غزل والی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد ولی اور سراج کا زمانہ آتا ہے۔ ان کے زمانے میں غزل کی خوب ترقی ہوتی ہے۔ ولی نے خود کو دکن تک محدود نہ رکھ کر دہلی کا سفر کیا۔ اس وقت تک دہلی میں بلکہ شمالی ہند میں اردو غزل کا کوئی اعلیٰ معیار قائم نہیں تھا۔ یہ سچ ہے کہ اردو غزل ولی کے ہاتھوں غزل کی صحیح روایات سے آشنا ہوئی اور یہ بھی سچ ہے کہ ولی ہی کی غزل کو سامنے رکھ کر اردو میں غزلیہ شاعری کی گئی۔ ولی نے تصوف اور اخلاق کے مسائل کو اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے، ولی کی غزلوں کا بیش تر حصہ مجازی کیفیات عشق کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ ولی کی غزلوں میں انسانی فضا کا احساس ہوتا ہے۔ درج ذیل اشعار میں انسانی زندگی اور زندگی کی حقیقت کا احساس بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

خوب رو خوب کام کرتے ہیں　　یک نگہ سے غلام کرتے ہیں

اے جان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے　　ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سے سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

ولی نے اپنی غزلوں میں صرف مجازی کیفیات عشق کی ہی ترجمانی نہیں کی بلکہ تصوف کے مختلف مسائل کے ساتھ ساتھ حیات و کائنات کے بعض اہم اور بنیادی مسائل کی ترجمانی کر کے اردو غزل کے دائرے کو بہت وسیع کیا ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مسند گل منزل شبنم ہوئی　　دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

دیکھا ہے جن نے ترے رخسار کا تماشا　　نہیں دیکھتا سرج کی جھنکار کا تماشا

از بس کہ زندگی میں یوں محو ہوں ولی میں مشکل ہوا، اجل کوں کرنا سراغ میرا

شغل بہتر ہے عشق بازی کا　　کیا حقیقی و کیا مجازی کا

جس روایت کو ولی نے قائم کیا تھا۔ سراج نے اسے اپنی غزلوں میں بڑی خوبصورتی سے برتنے کی کوشش کی ہے۔ سراج چونکہ صوفی تھے۔ اس لئے تصوف کے مسائل میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح مسائل تصوف کو عشقیہ لب و لہجہ عطا کیا ہے۔ وہ بذات خود غزل میں ایک اضافہ ہے۔ سراج تصوف کے مسائل کو تغزل کا رنگ اس طرح دیتے ہیں۔

نیند سے کھل گئیں آنکھیں تو دیکھا یار کو　　یا اندھارا اس قدر تھا یا اجالا ہو گیا

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی　　جس رات چاند نہیں ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں　　کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

ولی اور سراج کا زمانہ ہی دکن میں اردو غزل کا زمانہ ہے۔ان شعراء کی وجہ سے اردو غزل دکن اور شمالی ہند میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہوئی۔

سیاسی و سماجی صورت حال اور انحطاط و زوال کی وجہ سے شعرا کے کلام میں دانستہ یا غیر دانستہ ایک ایسی چیز پائی جانے لگی جسے ایہام گوئی کا نام دیا گیا۔ایہام گوئی نے اس وقت ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ تقریباً ہر شاعر نے ایہام گوئی کا سہارا لیا۔ایہام گو شعرا میں آبرو، حاتم، مضمون، احسن اللہ، شاکر ناجی اور یک رنگ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ان شعرا نے ایہام گوئی کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ ایہام گوئی پر مشتمل درج اشعار سے محظوظ ہوں۔

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں عارضی میری زندگانی ہے

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوشخط کی زلف ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

نہ ٹو کو یار کو خط رکھاتا ہے یا منڈاتا ہے میرے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے

ایہام گوئی کا یہ سلسلہ اردو غزل میں زیادہ دنوں تک چل نہ سکا۔ جلد ہی ایہام گوئی کا رد عمل ہوا۔ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے مرزا مظہر جان جاناں نے آواز بلند کی۔ ساتھ ہی ایہام گو شاعر حاتم نے بھی رد ایہام گوئی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔حاتم نے اپنے کلیات ''دیوان زادہ'' کے انتخاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کلیات کے اشعار ایہام سے پاک ہوں۔دیوان زادہ کی اشاعت کے بعد ایہام گوئی کے رد میں ایک تحریک چل نکلی۔حاتم نے اردو غزل کو مضامین کے اعتبار سے وسعت دینے کے ساتھ اردو کو زبان کے اعتبار سے سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش بھی کی ہے۔حاتمؔ، مظہرؔ جان جاناں، میر دردؔ، میر تقی میرؔ، مرزا سوداؔ اور ناسخؔ وغیرہ نے اردو غزل کو بہ اعتبار زبان و مضامین سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش کی۔ان شعراء نے بہت سے بھدے اور غزل میں کھٹکنے والے ہندی الفاظ کو علاحدہ کر کے اردو غزل کو اس حد تک نکھارا کہ اردو غزل فارسی غزل کے سامنے بلکہ اس کے برابر آ پہنچی۔اس کے بعد مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ اور مومن خاں مومنؔ کا عہد آتا ہے جسے اردو شاعری کا عہد زریں کہا جاتا ہے، غالبؔ اور مومنؔ نے اردو غزل کی چلی آرہی روایت کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ایک طرف مرزا غالب نے رمزیت و معنویت، تصوف، جدت اور ظرافت کے معجزے دکھا کر غزل کی روایت کو ایک نئے ذہن، نئے ماحول اور نئے شعور سے آشنا کیا۔غالب نے حقائق کو نئے انداز میں

پیش کر کے ایک نئی روایت قائم کی۔ تو دوسری طرف مومن نے اپنی غزلوں کا دائرہ حسن و عشق تک محدود رکھا۔ انہوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں جدت پیدا کی، معاملات عشق کی جزئیات کو نہایت ہی خوبصورتی اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا۔ انہوں نے حسن و عشق کے داستان اور راز و نیاز کو اپنی غزلوں میں پیش کر کے تغزل کا ایسا معیار قائم کیا کہ آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی غزلیں اہل نظر کی توجہ کا مرکز ہیں۔ اس عہد کے اہم شعرا شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ نے اپنی غزلوں میں غالب و مومن سے مختلف تکنیک کا استعمال کیا۔ ذوق نے اپنی شاعری میں آورد کا دل کش پہلو پیش کر کے اردو غزل کو بے حد مقبول بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کا گداز اس کی زندگی کی رفتار کا آئینہ دار ہے۔ فن موسیقی کی مہارت نے ان کی شاعری میں ایک ایسا رنگ پیدا کر دیا ہے۔ جس میں دل کش ترنم نظر آتا ہے۔ ذوق اور ظفر نے منفرد رنگ اور لب و لہجہ میں شاعری کی ہے۔ یہی وہ شعراء ہیں جنہوں نے روحانیت اور رومانیت کو ہم آہنگ کر دیا ہے۔

مراجع و مصادر

1۔ ادب کا مطالعہ، اطہر پرویز، اردو گھر علی گڑھ، تیرہواں ایڈیشن 2015

2۔ اردو ادب کی تحریکیں، انور سدید، کتابی دنیا، دہلی، 2004

3۔ اردو اصناف (نظم و نثر) کی تدریس، اومکار کول مسعود سراج، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، تیسری طباعت 2013

4۔ اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب، گوپی چند نارنگ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2002

5۔ اردو غزل کے پچاس سال حالی تا اکبر، عبدالاحد خاں خلیل، نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ، 1961

6۔ غزل اور مطالعہ غزل، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، دوسرا ایڈیشن 2017

7۔ غزل اور غزل کی تعلیم، اختر انصاری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، تیسری طباعت 2010